ہندوستان میں فارسی زبان و ادب کی علمی اور ثقافتی حیثیت تاریخ کی روشنی میں

(۲)

جناب ڈاکٹر سمیع الدین احمد صاحب۔ لکچرار، شعبۂ فارسی، مسلم یونیورسٹی۔ علی گڈھ۔ یوپی

اپنے عہد کے سیاسی اور مذہبی خلفشار کے دوران انھوں نے اپنے گرامی قدر مرشد کی رہنمائی میں لوگوں کو محبت، انسانیت اور باہمی رواداری کا درس دیا۔ اور یہی وجہ تھی کہ خواص کی دنیا میں گھلے ملے رہنے اور شاہانِ وقت سے تعلق رکھنے کے باوجود ان کا معنوی اور روحانی رشتہ عوام سے برابر قایم رہا۔ خسرو کے بارے میں خیال ہے کہ فارسی، سنسکرت، عربی اور ترکی کے علاوہ اِن کو ہندوستان کی عوامی بولیوں مثلاً اودھی، پنجابی، برج بھاشا، ہندی (یا ہندوی) اور کھڑی بولی پر بھی عبور حاصل تھا۔ دیوان غرۃ الکمال کے دیباچہ میں انھوں نے لکھا ہے کہ ہندی (غالباً ہندوی یعنی ہندوستانی مراد ہے) میں بھی نظمیں کہی ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ خود کہتے ہیں۔

ترک ہندوستانیم من ہندوی گویم جواب   شکر مصری ندارم کز عرب گویم سخن

ایک عوامی شاعر کی حیثیت سے امیر خسرو آج بھی عوام میں مقبول اور متعارف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شمالی ہندوستان اور خصوصاً برج کے لوک گیتوں میں سے متعدد ان کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں اور گنگا اور جمنا کے پانی سے شاداب سرزمین آج بھی ان کے دوہروں (دوہروں) اور نغمہ بار گیتوں کی آہنگ اور لَے سے گونجتی نظر آتی ہے۔

خسرو ہی کے دم سے ہندوستان میں فارسی غزل نے اپنا صحیح مزاج و مقام حاصل کیا۔ ان کی غزل سرائی میں سعدی کی پاکیزہ سادگی (جس کے وہ متبع ہیں) اور عراقی کے جذب و شوق، سوز و دروں اور ذوقِ عشق کی یاد دلاتی ہے۔ خسرو کے کلام اور انکی کارناموں کا ایک نمایاں وصف وہ مقامی رنگ ہے جو جا بجا جھلکتا ہے۔ ایک ہندوستانی کی حیثیت سے انھوں نے مثنوی نُہ سپہر میں یہاں کی آب و ہوا، پھولوں، جانوروں، چڑیوں، زبانوں، علوم اور مذہبی اعتقادات وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ اور اپنے وطن کی برتری دوسرے ممالک پر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاریخی مثنویوں میں اہم واقعات کی طرف اشارے اور حوالے ملتے ہیں۔ خسرو کے چہیتے دوست اور پیر بھائی امیر نجم الدین حسن علا سجزی بدایونی معروف بہ حسن دہلوی نے بھی اپنے کلام میں رنگِ تغزل خوب نکھارا ہے۔ تاریخ فرشتہ کا مصنف ان کو سعدیٔ ہندوستان کے لقب سے یاد کرتا ہے

ضیاء الدین برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی نے جو ان دونوں کا قریبی دوست اور ہم مجلس تھا، حسن کی تالیفات نظم و نثر کا ذکر کرتے ہوئے ان کو (یعنی حسن کو) ذاتی اوصاف و کمالات اور اخلاقِ مرضیہ سے متصف بتایا ہے اور ان کی وجدانی غزلوں اور سلامتِ ترکیب اور روانیِ سخن کی بہت تعریف کی ہے۔ (تاریخ فیروز شاہی، سید احمد خاں، ص ۳۹۵-۳۶۰) حسن کے کلام میں صفائی اور پاکیزگی، سوز و جذب بدرجۂ اتم موجود ہے اور اس سے داخلی کیفیات اور جذبات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ یہ دونوں صاحبانِ فن و کمال تقریباً پانچ سال ملتان میں بلبن کے بڑے بیٹے شاہزادہ ملک محمد قاآن (خان شہید) کے دربار کے ادب نواز اور علم پرور ماحول

میں گذار چکے تھے۔ خسرو کو مصحف داری اور حسن کو دوات داری کا عہدہ حاصل تھا۔

اس کے علاوہ ان بزرگوں نے دہلی سلطنت کے کئی عظیم المرتبت فرمانرواؤں کا دورِ حکومت دیکھا تھا اور درباری زندگی اور حیاتِ معنوی دونوں کے حقوق بڑی وفاداری کے ساتھ ادا کئے تھے۔ ملفوظ ادب میں حسن دہلوی کی تصنیف "فوائد الفواد" ارشاداتِ شیخ اور تلقینِ مرشد کے موضوع پر ایک مستند شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔ ایک مختصر رسالہ "مخ المعانی" میں تصوف و معرفت کے نقطۂ نگاہ سے عشق کے موضوع پر بحث کی گئی ہے[1]۔ شہزادہ محمد کی شہادت پر لکھا ہوا ان کا نثری مرثیہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

فارسی زبان میں تصوف و عرفان اور شعر و ادب کا ہمیشہ سے چولی دامن کا ساتھ رہا ہے ہندوستانی صوفیوں سے ان کی وسیع المشربی کی بنا پر کم و بیش ہر فرقہ و مذہب کے لوگ نہ صرف متاثر تھے بلکہ ان کے معتقد بھی تھے۔ چشتی اولیائے کرام خصوصی طور پر سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء المعروف بہ سلطان جی کی بلند نظری، آزاد خیالی اور وسیع المشربی اور ان کی بااخلاص محفلوں میں سماع اور موسیقی کا رواج بالواسطہ غزل کی مقبولیت اور اس کی ہر دلعزیزی کا سبب بنا۔ اور اس طرح شعر و شاعری اور تغزل کی جانب میلان عام ہوتا گیا۔ بہت سے صوفی بزرگوں کے اشعار و اقوال شاعری اور عرفان و حکمت کا خزانہ ہیں۔ چشتی سلسلے کے گراں قدر پیرِ طریقت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی (مشہور بہ قطب صاحب کے بارے میں عام خیال ہے کہ وہ نکتہ سنج شاعر بھی تھے[2]۔ شیخ جمال الدین ہانسوی (بابا فرید الدین

---

[1] ملاحظہ ہو مقالہ بعنوان "مخ المعانی" از پروفیسر خلیق احمد نظامی، فکر و نظر، جنوری ۱۹۶۳ء۔ حسن دہلوی کا دیوان حیدرآباد سے ۱۳۵۲ھ میں چھپ کر شائع ہو چکا۔

[2] ان کا صاحب دیوان ہونا مشتبہ ہے۔ لہٰذا ان کے نام سے مشہور مطبوعہ دیوان کی نسبت ان کی طرف غالباً صحیح نہیں ہے۔

شکر گنج کے خلیفہ) کے اشعار میں ذہنی و قلبی کیفیات اور عشقِ الٰہی کی جھلکیاں ملتی ہیں خسرو اور حسن کے معاصر حضرت شیخ شرف الدین (یا شاہ شرف الدین) بو علی قلندرؒ پانی پتیؒ (متوفی ۱۳۲۳ء) کے کلام میں تغزل اور تصوف اور شعریت اور تصورِ وحدت کا حسین امتزاج ملاحظہ ہو۔ عشق کو شاعری کی روح اور سببِ اصل بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

گر عشق نبودی و غمِ عشق نبودی   چندین سخن نغز کہ گفتی کہ شنیدی
گر عشق نبودی بخدا کس نہ رسیدے   این ذوقِ محبت بہ جہاں کسے نہ چشودے
گر ساقیٔ وحدت سرِ خم خانہ کشودی   در شہر یکی عاقل و ہشیار نبودی
در یک نفسی ہر دو جہانِ پاک بسوزم   آندم کہ برآرم زِ دلِ سوختہ دودی[2]

اس تہذیبی اور ثقافتی ماحول میں جب کہ ہر چہار طرف تعلیم و تعلم، شعر و شاعری اور علم و فن کا بازار گرم تھا اور جا بجا تصنیف و تالیف کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ بزرگانِ دین ملک کے مختلف حصوں میں اپنی اپنی خانقاہوں اور جماعت

---

[1] - اخبار الاخیار (ص ۱۲۱) میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ان کے تصنیف کردہ مکتوبات کا ذکر کیا ہے۔ ان خطوط میں بھی بقول صاحب اخبار الاخیار معارف و حقائق توحید کا عنصر اور موضوع غالب ہے۔ ایک مثنوی کنز الاسرار بھی ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔

[2] - ایک عارفانہ غزل کے چند اشعار مجموعہ بنام کلام قلندری (مطبوعہ جگت پرکاش پریس میرٹھ) سے نقل کئے گئے ہیں۔ اور تعداد میں کل گیارہ ہیں۔ ارمغان پاک میں اشعار ۲، ۳ اور ۴ کچھ فرق کے ساتھ اس طرح درج ہیں۔

گر عشق نبودی بخدا کس نرسیدی   حسن ازلی پردہ ز رخ برنگشودی
گر ساقیٔ وحدت درِ میخانہ گشادی   در دہر یکی عاقل و ہشیار نبودی
ای بو علی این ہر دو جہاں پاک بسوزی   آندم کہ برآری ز دل سوختہ دودی

میرے مطولے نسخہ میں ان بزرگ کے نامِ نامی یعنی شرف الدین کی رعایت سے مقطع میں تخلص 'شرف' یوں باندھا گیا ہے۔

بر گورِ شرف فاتحہ خواند چو میرد   اخلاص بہم بر سرِ آن تحفہ درودی

خانوں میں دین و مذہب، نیکی، اخلاقِ حسنہ، انسان دوستی، زہد و تقویٰ اور بھائی چارگی کا درس دے رہے تھے۔ اور رشد و ہدایت کے آبِ زُلال سے تشنگانِ معرفت وحقیقت کے لئے تسکین دل کا سامان فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے قلب و روح کے تزکیہ کے سعی مشکور میں ہمہ تن مصروف تھے۔ ان حالات کے تحت روحانی مجلسوں میں پیرِ طریقت کے اقوال و ہدایات، ارشادات اور تلقینات کے موضوع پر اس دور میں ایک مخصوص سرمایہ ادب وجود میں آیا۔ جس کی تاریخی اور ادبی حیثیت مسلّم ہے اور جس کو ہم ملفوظ لٹریچر کا نام دیتے ہیں۔ اس شعبۂ ادب میں اولیت کا درجہ غالبًا حسن دہلوی کی گراں قدر تصنیف فوایدالفواد (آغاز در ۷۰۷ھ و تکمیل در شعبان ۷۲۲ یا ۷۲۵ھ) کو حاصل ہے[1]۔ جس کا ذکر گذشتہ سطور میں کیا جا چکا ہے۔ یہ اہم علمی اور ادبی کارنامہ جس میں تصوف و سلوک کے مختلف دقیق مسائل اور نکات زیر بحث لائے گئے ہیں۔ دراصل ان کے چہیتے پیر حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ضیاء الدین برنی (مصنف تاریخ فیروز شاہی) اور میر خرد (صاحب سیر الاولیاء)

---

[1] اگرچہ روایت عام کے مطابق اس موضوع پر حسن سنجری سے پہلے حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اپنے مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتی سجزی، اجمیریؒ کے ملفوظات بعنوان 'دلیل العارفین' اور خود اُن کے لئے ان کے مرید اور خلیفہ حضرت فرید الدین شکر گنجؒ نے 'فوایدالسالکین' لکھ کر اس فن کی ابتدا کر دی تھی، لیکن نقد و تحقیق کی روشنی میں ان دونوں تصانیف کی نسبت ان دونوں حضرات کی جانب مشکوک ہے۔ یہ دونوں رسالے مطبع مجتبائی دہلی سے چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔

کے بیانات کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے[1] کہ فوایدالفواد کو برنی نے دستور صادقانِ ارادت (و "در این ایام فوایدالفواد اور دستور صادقانِ ارادت شدہ است"۔ الخ) بتایا ہے۔ اور میر خرد نے لکھا ہے کہ سلطان الشعراء امیر خسرو علیہ الرحمۃ بکرات گفتے کاشکہ تمامی کتب کہ عمر در آن صرف کردہ ام برادر امیر حسن را بودی و ملفوظات سلطان المشائخ کہ جمع کردۂ اوست مرا بودی تا من بدان در دنیا و آخرت مباہات کردمی"

چودھویں صدی عیسوی (آٹھویں صدی ہجری) کے دوران اور اس کے بعد بھی ملفوظ ادب کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ اور متعدد کتابیں اس متصوفانہ موضوع پر ترتیب دی گئیں[2]۔ خالص علمی اور تہذیبی اعتبار سے

---

[1] ۔ ملاحظہ ہو مقالہ "مخ المعانی" فکر و نظر جنوری ۱۹۶۳ء

[2] ۔ اس اجمال کی تفصیل کے لیے پروفیسر خلیق احمد نظامی کا مندرجہ ذیل بیان ملاحظہ ہو:
"امیر حسن کے اس کامیاب تجربے نے دوسرے معاصرین کو اس طرف متوجہ کیا اور اوچہ (سندھ) سے لے کر منیر (بہار) تک ملفوظات کی ترتیب و تدوین کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ خود حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے مریدوں میں خواجہ محمد بن مولانا بدرالدین اسحاق نے انوار المجالس، خواجہ عزیز الدین صوفی نے تحفۃ الابرار و کرامۃ الاخیار اور مولانا علی جاندار نے درر نظامیہ لکھ کر اس فن کو آگے بڑھایا۔ راجپوتانہ میں شیخ حمید الدین ناگوری خلیفہ شیخ معین الدین چشتی اجمیری کے ایک پوتے نے سرور الصدور قی نور البدور میں اپنے دادا کے حالات اور ملفوظات جمع کیے۔ دکن میں شیخ برہان الدین غریب کے منسلکین میں تین بھائیوں مولانا عماد الدین، مولانا رکن الدین اور مولانا مجد الدین نے کئی گرانقدر ملفوظات ترتیب دیے۔ سندھ میں سہروردی سلسلہ کے بزرگ سید جلال الدین بخاری المعروف بہ مخدوم
(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

ان تصانیف کی اہمیت اور خصوصیت اس بنا پر ہے کہ ان کے وسیلہ سے ہمیں ہندوستانی صوفیائے کرام کے مسالک، طریق تعلیم، افکار و عقاید، مجاہدات و مکاشفاتِ باطنی، اذکار و اشغال، اوراد اور مراحلِ سلوک سے متعلق مختلف چھوٹے بڑے مسائل کے بارے میں بڑی مفید اطلاعات حاصل ہوتی ہیں اور مختلف سلسلوں اور ان کے پیشواؤں کی مذہبی اور روحانی سرگرمیوں کا علم ہوتا ہے۔

فوائد الفواد کی تصنیف کے بعد اس شعبۂ ادب میں حمید قلندر کی لکھی ہوئی کتاب خیر المجالس کو خاصی اہمیت حاصل ہے[1] اس میں حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی، چراغ دہلی یا روشن چراغ دہلی[2] کے اقوال و ملفوظ جمع کیے گئے ہیں[3]۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

جہانیاں کے تین ملفوظات — جامع العلوم، سراج الہدایہ اور مناقب مخدوم جہاں ترتیب دیے گئے۔ گجرات میں شیخ احمد کھتو کے ایک مرید محمود بن سعد صدر صوفی ایرجی نے تحفۃ المجالس مرتب کی۔ بہار میں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے کئی ملفوظات جمع کیے گئے۔۔۔۔۔

(ملفوظات کی تاریخی اہمیت، نذر عرشی۔ ص ۴۳۵ — ۳۶)۔

۱۔ خیر المجالس کو پروفیسر خلیق نظامی نے مع تصحیح و تعلیقات شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سلسلۂ مطبوعات کے تحت شایع کیا ہے۔ خیر المجالس کا اردو ترجمہ بنام سیر المجالس شائع ہو چکا ہے۔

۲۔ علی اصغر حکمت سابق سفیر ایران نے اپنی کتاب سرزمین ہند میں ان کو اسی لقب سے یاد کیا ہے

۳۔ حضرت چراغ دہلی کو حضرت نظام الدین اولیاء سلطان جی، گنج معانی کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے (فرشتہ ۲، ص ۳۹۹)

اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستان میں اولیائے کرام اور مشائخ کے عرفانی پیغامات اور سلوک و طریقت کے مسائل جن کی بنیاد انھوں نے نیکی، خدمتِ خلق، انسان دوستی اور خلق عظیم جیسے اسلامی ارکان پر رکھی تھی۔ ان بزرگوں کی زبانی ہدایات اور ارشادات کے علاوہ فارسی زبان اور ادب ہی کے ذریعہ نشر و اشاعت کی منزل تک پہنچے۔ اس کا ثبوت ملفوظ ادب کے علاوہ (جس کا مختصر ذکر گذشتہ سطور میں کیا جا چکا ہے) وہ مکتوبات اور رسائل ہیں جو اس عہد میں اور اس دور کے بعد بھی مرتب کئے گئے۔ مشہور صوفی بزرگ مخدوم الملک حضرت شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیریؒ (متوفی ۷۸۲ھ - ۱۳۸۰ء) کے مکتوبات مسلک و نظریات تصوف اور توحید و وحدت کے موضوع پر سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بیان ہے کہ:

"اوراد تصانیف عالی است، از جملہ تصانیف او مکتوبات مشہور و لطیف ترین تصانیف اوست، بسیاری از آدابِ طریقت و اسرارِ حقیقت در آنجا اندراج یافتہ"[1]

معظمی صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے مکتوبات، ملفوظات اور تصانیف کے ذیل میں متعدد کتابوں کا ذکر کیا ہے[2]۔

مکتوبات کے علاوہ ان کی اہم تصانیف میں ارشاد السالکین، فوائد رکنی اور عقاید شرفی وغیرہ کا نام پیش کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] - اخبار الاخیار، ص ۱۰۹ - [2] - ملاحظہ ہو بزم صوفیہ، ص ۳۷۷ ببعد۔ صباح الدین صاحب نے (ایضاً ص ۳۸۲) لکھا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کی تمام تصانیف میں مکتوبات سب سے زیادہ اہم ہیں۔ اور ان میں تصوف کے تمام رموز و نکات پر مدلل اور محققانہ مباحث ہیں اسی ضمن میں وہ دوسری جگہ (ص ۳۷۷) لکھتے ہیں کہ "مکتوبات صدری میں تصوف کے تمام اہم مسائل پر مختصر مگر محققانہ مباحث ہیں۔ یہ مکتوبات ۷۷۴ھ میں لکھے گئے"

عہدِ علائی کے آغاز سے ہی ہندوستان میں فارسی شعر و شاعری کے علاوہ جس کی بنیادیں اب اس ملک میں بڑی مستحکم اور بار آور ثابت ہو رہی تھیں اور جو اپنے عروج و ارتقا کی منزلیں تیزی سے طے کر رہی تھی۔ علوم عقلی و نقلی نے بھی بڑا رواج پایا۔ علمِ تاریخ، طب، علمِ نجوم، فلسفہ و حکمت اور اخلاق و تصوف ـــــ ان سب علوم کے متبحر اور باکمال علما اس زمانے میں موجود تھے۔ جن کے دم سے فضائل اور علمی اکتسابات کا چشمۂ فیض جاری ہوا اور جنھوں نے ان موضوعات پر تصانیف مرتب کر کے ہمارے ملک میں فارسی نثر نویسی اور فارسی میں قلمبند کئے گئے علوم کے سرمایہ میں معتدبہ اضافہ کیا۔

عصرِ علائی کے عجائبات اور امتیازی اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے معاصر مورخ ضیاءالدین برنی نے دارالخلافہ دہلی کی عظمت اور اس کی تہذیبی علمی اور تمدنی حیثیت اور جلال و کمال کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"و دھم اعجب العجایب کہ بہ ارادہ و اہتمام سلطان علاءالدین در تمامی عصر او عالمیان را معاینہ و مشاہدہ شد، اجتماع بندگان ہر قومی و استادان ہر علمی و ماہران ہر ہنری بودہ است و تختگاہِ دہلی از وجود آنچنان بے نظیران سوادِ اعظم گشتہ و دارالملک دہلی رشکِ بغداد و غیرت مصر و ہمسرِ قسطنطنیہ و موازیِ بیت المقدس شدہ ـ ـ ـ ـ ـ الخ"[۱]

مختلف علوم و فنون کی تصنیفات اور تالیفات کے مطالعہ، دین و مذہب اور اخلاق و تصوف سے لگاؤ اس درجہ عام ہو گیا تھا کہ لوگ ان مضامین سے متعلق کتابیں ذوق و شوق سے خریدتے اور پڑھتے تھے۔ برنی لکھتا ہے:[۲]

"و رغبت بیشتری متعلمان و اشراف و اکابر کہ بخدمت شیخ (مراد حضرت نظام الدین اولیاؒ) پیوستہ بودند در مطالعہ کتب سلوک و صحایف احکام شریعت مشاہدہ می شد و کتاب قوت القلوب، و احیاء العلوم و ترجمہ احیاء العلوم، و عوارف و کشف المحجوب

۱۔ تاریخ فیروز شاہی، ص ۳۴۱۔ (۲)۔ ایضاً ص ۳۴۶۔

وشرح تعرف ورسالہ قشیری ومرصاد العباد ومکتوبات عین القضاۃ ولوامع قاضی حمید الدین ناگوری وفواید الفواد امیر حسن را بواسطہ ملفوظات شیخ خریداران بسیار پیدا آمدند و مردمان بیشتر از کتابہا از کتب سلوک وحقایق باز پرس کردندی۔۔۔"

اس ضمن میں برنی نے کافی تفصیل کے ساتھ اسی دور کے مشائخ وصلحاء مثلاً شیخ نظام الدین اولیاؒ، شیخ علاؤ الدین، شیخ رکن الدین وغیرہ، سادات کرام، علماء عظام جیسے قاضی فخر الدین ناقلہ، مولانا تاج الدین کلاہی، مولانا ظہیر الدین بھکری، محی الدین کاشانی مولانا افتخار الدین برنی وغیرہ[له] اور ماہرین فن تجوید (قرأۃ) مذکرین (اس نے مذکرانی لکھا ہے) ندماء شاہ، شاعروں، مورخین اور اطباء اور دوسرے ہنرمندوں اور صاحبانِ فن کا ذکر کیا ہے۔ شعراء وقت میں شرفِ اولیت بالترتیب امیر خسرو اور امیر حسن کو دینے کے بعد وہ صدر الدین عالی، فخر الدین قواس، حمید الدین راجہ، مولانا عارف، عبد الحکیم شہاب انصاری جیسے صاحب دیوان سخنوروں کا ذکر کرتا ہے جو دربارِ شاہی سے مشاہرے پاتے ہیں۔ مورخین کے ذکر کے تحت اس نے متعدد نام لئے ہیں مثلاً امیر ارسلان کلاہی، کبیر الدین پسر تاج الدین عراقی وغیرہ۔ آخر میں اس مبحث کا خلاصہ وہ یوں پیش کرتا ہے:-

واگر خواہم کہ جملہ مصنفان ومنشیان وفاضلان وشاعران مشہور ذکر کنم از بسکہ بسیار بودہ اند نتوانم واز عرض باز مانم ۔۔۔۔ الخ"[سله]

[له] علماء کے بیان کے سلسلہ میں برنی نے لکھا ہے کہ صرف علاؤ الدین خلجی کے دور میں کم از کم ۴۶ ایسے دانشور علماء وفضلاء جمع ہوگئے تھے جن میں سے چند امام غزالی اور امام فخر الدین رازی جیسے حکماء کے معادل قرار دیئے جا سکتے تھے۔ (وبعضے از آن استادان در فنون علم وکمالات علوم بدرجہ غزالی ورازی رسیدہ بودند") اور جو صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ مختلف علوم خلاً معقولات، تفسیر وفقہ، اصول دین، نحو ولغت، معانی وبدیع (علم بدیع) بیان وکلام اور منطق وغیرہ میں اپنے زبردست تبحر کی وجہ سے بخارا، سمرقند، بغداد، مصر وخوارزم، دمشق وتبریز، اصفہان، ری اور روم میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اور جن میں سے کچھ کی شاگردی کا فخر خود برنی کو حاصل تھا۔ "وچہل وشش استاد مذکور کہ من اسامی ایشان نوشتہ ام۔ آنانند کہ من حد مبتدی بخدمت کردہ ام" تاریخ فیروز شاہی ص ۳۵۲ - ۳۵۴ -

(سله- ایضاً ص ۳۶۰ - ۳۶۱)

اِن مستند شہادتوں کی روشنی میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اس زمانے میں تہذیب و ثقافت اپنے پورے عروج پر تھی۔ اور علم و دانشوری کا معیار بہت بلند تھا۔ شاعروں، ادیبوں اور عالموں کی کثرت نے دہلی اور سلطنتِ دہلی کے وقار میں چار چاند لگائے تھے۔

علوم و فضائل اور ادب و شعر کے اس عام رواج سے ہندوستان میں فارسی زبان و ادب کو وہ سربلندی حاصل ہوئی کہ آیا سانی معیار کے اعتبار سے ہندوستانی تخلیقات سرزمین ایران کی تصنیفات اور تالیفات کے مقابل پیش کی جا سکتی ہیں۔ فکر و فن کی اس وسعت اور جامعیت کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ اسی عہد سے ہندوستان میں فارسی لغت نویسی کا آغاز ہوا۔ اور یہ ایک بالکل نیا تجربہ تھا۔ بعد میں کئی تصانیف اس شعبۂ ادب میں پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔ اگرچہ باقاعدہ طور پر فرہنگ نویسی کو فروغ پندرھویں صدی میں ہوا لیکن پروفیسر نذیر احمد کے بیان کے مطابق قدیم ترین لغات عہدِ علائی اور عہدِ تغلق ہی کی تصنیف شدہ ہیں۔ ہماری مراد فرہنگ نامہ قواس سلہ تالیف فخرالدین مبارک (یا مبارک شاہ) غزنوی سلہ۔ اور دستور الافاضل (تکمیل ۷۴۳ھ) تالیف رفیع سلہ ملقب بہ حاجب خیرات سلہ سے ہے۔ یہ دونوں اصحاب شاعر بھی تھے اور نثر نگار بھی اور بڑی حد تک انھیں ادیبوں کی علمی کوششوں نے بعد کے لغت نویسوں

سلہ۔ ایضاً ص ۳۶۲۔ سلہ۔ چونکہ یہ فرہنگ علائی دور میں لکھی گئی لہٰذا اس کا سنِ تصنیف ۶۹۵ اور ۷۱۶ھ کے درمیان قرار دیا جا سکتا ہے۔ مزید معلومات کے لئے ملاحظہ ہو "ہندوستان کا قدیم ترین فارسی لغت یعنی فرہنگ نامہ قواس، مولفہ فخرالدین مبارک غزنوی" از پروفیسر نذیر احمد، فکر و نظر جولائی ۱۹۶۵ء۔ سلہ۔ تاریخ فیروز شاہی تالیف برنی (ص ۳۶۰) میں اس کا نام فخرالدین قواس لکھا ہے۔ اور اس کو خسرو اور حسن دہلوی کے ذکر کے بعد اس عہد کے ممتاز شاعروں میں شمار کیا گیا ہے۔ دراصل برنی نے اس موقعہ پر ان مخصوص ادیبوں اور سخنوروں کا ذکر کیا ہے جو نظم و نثر کے استاد تھے اور دربارِ علائی سے متعلق تھے اور وظیفہ خوار بھی۔ سلہ۔ ان دونوں لغت نویسوں کے بارے میں اطلاعات پروفیسر نذیر احمد کے مقالوں سے ماخوذ ہیں۔ شہ۔ ملاحظہ ہو مقدمہ لغت دستور الافاضل، ترتیب و تدوین از پروفیسر نذیر احمد، مطبوعہ بنیاد فرہنگ ایران، تہران۔ (۱) صاحب تاریخ فرشتہ نے بھی ان شعرا کے نام معمولی سی ترمیم و اختلاف کے ساتھ دیئے ہیں۔ مثلاً موخرالذکر کو وہ شہاب الدین صدر نشین لکھتا ہے۔ (تاریخ فرشتہ نول کشور، کانپور، ج ۱، ص ۱۲۲)

کے لئے زمین ہموار کی ۔ یہی وجہ ہے کہ پندرھویں اور سولہویں صدی کے تصنیف شدہ لغات میں اس دور کے کارناموں کا ذکر اور حوالہ بطور ماخذ ہمیں ملتا ہے ۔

علمی اور تہذیبی اعتبار سے سلاطینِ تغلق کے دور کو بھی بڑی نمایاں حیثیت حاصل تھی ۔ اس عہد میں ہم کو اربابِ کمال اور صاحبِ تصانیف حضرات کی ایک بڑی جماعت نظر آتی ہے جنھوں نے مختلف موضوعات اور عنوانات پر قلم اٹھایا ۔

ہندوستان میں تاریخ نویسی کا تجربہ کوئی نیا تجربہ نہ تھا ۔ اس دور سے پہلے اس موضوع پر تحریر شدہ کارناموں کا اجمالی تذکرہ پیش کیا جا چکا ہے ۔ اس صدی (آٹھویں صدی ہجری — چودھویں صدی عیسوی) کا اہم ترین تاریخی شاہکار ضیاء الدین بن موید الملک رجب برنی[1] (پیدائش ۶۸۴ھ ، ۱۲۸۰ء) کی تاریخ فیروز شاہی (تالیف ۱۳۵۷ء) ہے جس کا ذکر ضمناً پہلے آچکا ہے ۔ یہ کتاب آج بھی قرونِ وسطیٰ کے ہندوستان کی تاریخ کے لئے اعلیٰ ترین ماخذ میں شمار کی جاتی ہے

تاریخ فیروز شاہی کے علاوہ اس کی دوسری مشہور تصنیف فتاوای جہانداری[2] ہے جو تاریخ فیروز شاہی کے بعد مرتّب کی گئی ۔ باقی

---

[1] ۔ مصنف سیر الاولیاء میر خرد (خورد) نے جس کا ذکر آیندہ سطور میں آئے گا ۔ ضیاء برنی کے بارہ میں مفید اطلاعات درج کی ہیں

[2] ۔ جس کا موضوع بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی تاریخ نہیں بلکہ فلسفۂ علمِ سیاست یا سیاسیات ہے ۔